احسن التفاسیر میں فکری رجحانات

Exegetical Approaches in *Aḥsan al-Tafāsīr*

ڈاکٹر میمونہ تبسم *

Abstract

A tendency in the modern Qur'ānic exegetical literature is expressing of scientific and theological intellectualism. Syed Aḥmad Ḥasan is a renowned Exegete of the 20th century as well as an expert inḥadīth and its sciences. In Aḥsan al-Tafāsīr, he has vehemently focused on incorporating reliable and authentic aḥādīth in order to review intellectual approaches and evaluate them for evaluating and resolving the philosophical interpretations of the Qur'an. According to him, the assertions based upon mere logic are far from the true spirit and essence of the divine objectives. This paper has been specifically articulated to explore the views of Zimakhshari from classical and of Sir Syed Ahmed Khan from the relatively modern period.The paper establishes the interpretations according to the spirit of the Qur'an and Sunnah.

Keywords: Sayyid Aḥmad Ḥasan, Exegetical approaches adopted in *Aḥsan al-Tafāsīr*

سید احمد حسن محدث دہلوی (م 1338ھ / 1919ء) تفسیر "احسن التفاسیر" محدثانہ رجحان کی تفسیر ہے۔ اس میں مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے ہر اس رائے کو قبول کیا ہے جو احادیث صحیحہ کے مطابق ہو اور ان تمام فکری آراء کو رد کر دیا ہے جو احادیث رسولؐ کے خلاف تھیں۔ جیسے قدیم کلامی مسائل، جدید فلسفیانہ رجحانات، سابقہ ادیان، جدید مسائل اور معاصر فکری مغالطوں کا رد احادیث و آثار یا براہ راست قرآنی آیات سے کیے ہیں۔ اس مقالہ میں ان فکری آراء کے متعلق صاحب تفسیر کے رویوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

الف) قدیم کلامی مسائل کے بارے میں رویہ:

تفسیر احسن التفاسیر میں مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے قدیم کلامی مسائل کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ" [1] کی تفسیر کرتے ہیں:

> "جن مفسروں نے اپنی تفسیریں عقلی طور پر لکھی ہیں انہوں نے ان آیتوں کی تفسیر میں طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس قول سے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کا منکر تھا قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ نہیں فرعون کا مطلب یہ تھا کہ کسی دلیل سے خدا کا موجود ہونا اب تک اس کو معلوم نہیں ہوا تھا اسی واسطے خدا کے موجود ہونے کا علم حاصل کرنے کے لیے اس نے آسمان تک جانے کے لیے اونچے مینار بنائے تھے اگر وہ خدا کا منکر ہوتا تو پھر مینار کیوں بنواتا اور اس طرح کی کئی بحثیں اور تفسیروں میں بھی ہیں لیکن قرآن شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہریہ تھا اور خدا کا منکر تھا اور اس میں یہ بات فرقہ دہریہ سے بھی بڑھ کر تھی کہ وہ گمراہی کے سبب سے اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا"

---

* اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

آگے لکھتے ہیں:

"غرض جس منار کا ذکر ان آیتوں میں ہے وہ منار اس دہریہ نے اپنی قوم کو یہ دھوکہ دینے کے لیے بنوائے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کو جھوٹا جانتا ہے اس لیے منار بنواتے وقت اس نے حضرت موسیٰ کے حق میں یہ بات کہی تھی وانی لاظنہ من الکاذبین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منار بنواتے وقت خدا کی ہستی کا اس کے دل میں خیال اور گمان نہیں تھا"

مزید آگے لکھتے ہیں:

"تفسیر عبد الرزاق اور ابن ابی حاتم میں قتادہ کا قول ہے کہ پہلے پہل پختہ اینٹوں کا بنانا فرعون نے نکالا ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب فرعون کے حکم کے موافق یہ اونچا منار اس کے وزیر ہامان نے بنایا تو حضرت جبرائیلؑ نے اللہ کے حکم سے اس کو اپنا پر مار کر گرادیا جس سے بہت سے آدمی فرعون کے لشکر میں ہلاک ہو گئے"[2]

اس آیت کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے قرآن مجید کی تفسیر میں قدیم کلامی مسائل اور عقلی تفسیر کی تردید کی ہے بلکہ جن مفسرین نے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بارے میں بھی سخت موقف اختیار کیا ہے۔

ا۔ منکرین حشر کی تردید:

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے احسن التفاسیر میں جگہ جگہ باطل عقلی نظریات کی تردید کی ہے۔ ان میں سے ایک بڑا نظریہ انکار حشر کا تھا۔ صاحب تفسیر نے منکرین حشر کے نظریات، احوال اور ان کے منطقی انجام کو احسن انداز میں پیش کیا ہے اور ان کی تردید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ "أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعاً تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ○وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ"[3] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قرآن شریف میں کھیتی کی مثال سے ایک تو مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جتلائی گئی ہے جس کا ذکر اوپر گزرا اور دوسرے ان کے حشر کے انکار کو بے اصل ٹھہرایا گیا ہے کہ جس طرح اب مینہ کے پانی کے اثر سے ہر سال طرح طرح کی پیداوار زمین سے نکل آتی ہے اسی طرح ایک مینہ کے پانی کے اثر سے ان منکرین حشر کے جسم زمین میں سے حشر کے دن نکل آویں گے اور ان میں روحیں پھونک دی جائیں گی"

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح زمین میں سے ہر ایک طرح کی پیداوار نکلنے میں انسان کی عقل کو کچھ دخل نہیں ہے یہی حال حشر کا ہے پھر زمین کی پیداوار کا حال آنکھوں سے دیکھ کر حشر کا انکار کرنا اور اس میں عقلی حجتوں کو دخل دینا بڑی نادانی ہے[4]۔

۲۔ نجومیوں کی تردید:

قدیم کلامی مسائل میں سے ایک مسئلہ علم النجوم ہے۔ صاحب تفسیر نے ستاروں کو پیدا کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے ستاروں کے متعلق قدیم فلسفی نظریات کی تردید خوبصورت انداز میں کی ہے۔ مثلاً:

اللہ تعالیٰ کے فرمان "رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ○إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ○وَحِفْظاً مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ○لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ○دُحُوراً وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ○إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ"[5] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی یہ نشانی جتلائی ہے کہ اس نے آسمان میں تارے پیدا کر کے آسمان کی رونق بڑھائی پھر فرمایا چوری سے شیاطین آسمان سے کچھ باتیں سنتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے روبرو کاہن لوگوں کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاہن لوگ جھوٹے ہیں بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ کاہنوں کی بعض بات تو سچ نکلتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی شیطان آسمان کی باتوں میں سے کوئی بات چرالاتا ہے۔ وہ سچی نکل آتی ہے ورنہ اس ایک سچی بات کے ساتھ سینکڑوں جھوٹی باتیں ملا کر شیاطین کاہن لوگوں سے کہہ دیتے ہیں۔ اسلام سے پہلے کچھ لوگ ایسے تھے کہ مشرکوں کو کچھ آگے کی باتیں بتلا کر کمائی کرتے تھے ان لوگوں کو کاہن کہتے ہیں۔ یہ کاہن لوگ شیاطین کے ناموں کی نذرو نیاز کیا کرتے تھے اس نذرو نیاز کے لالچ سے شیاطین آسمان کی باتیں چوری سے سن آتے اور کاہنوں سے کہہ دیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو آیتوں کی تفسیر میں جو دخل ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ غیب کی باتیں چورانے والے شیاطینوں کے پیچھے آگ کے انگارے لگ جاتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی بچ بچا کر کوئی شیطان آسمان کی کبھی ایک آدھی بات سن کر آتا تھا۔ جس کو کاہنوں تک پہنچا دیتا۔

ترمذی، نسائی، مسند امام احمدؒ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے زمانہ میں آسمان کی خبروں کے روکنے کا انتظام زیادہ ہو گیا تھا۔ تاکہ قرآن مجید کا کوئی مضمون اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر نازل ہونے سے پہلے چوری کے طور پر کاہنوں تک نہ پہنچ جائے۔

صحیح بخاری کے حوالہ سے قتادہ کا قول ایک جگہ گزر چکا ہے کہ تارے اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ایک تو آسمان کو رونق دوسرے ان تاروں میں شعلے لے کر آسمان کی باتیں سننے والے شیاطینوں پر اللہ کے فرشتے انگارے برساتے ہیں۔ تیسرے تاروں کے حساب سے مسافر لوگ راستہ کا حال معلوم کرتے ہیں۔ اس کے سوا تاروں میں جس کسی نے اور کوئی تاثیر خیال کی وہ غلطی پر ہے۔

قدیم فلسفی اور نجومی لوگ تاروں میں ان تین باتوں کے سوا جن تاثیرات کے قائل ہیں۔ ان کے اعتقاد کا غلط ہونا قتادہ کے اس قول سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے[6]۔

ب) جدید فلسفیانہ رجحانات کے بارے میں رویہ:

مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی نے احسن التفاسیر میں جس طرح کلامی مسائل پر مفصل روشنی ڈالی ہے اسی طرح جدید فلسفیانہ رجحانات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور ان کے مختلف نظریات کی تردید کی ہے۔ مثلاً:

ا۔ قرآن مخلوقات کے کلام کی طرح نوپید چیز:

جدید فلسفی نظریات میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن شریف مخلوقات کے کلام کی طرح ایک نوپید چیز ہے۔ اس نظریہ کا رد آیت ''وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ''[7] کی تفسير میں کیا ہے:

> '' اس آیت سے فرقہ معتزلہ نے یہ مطلب جو نکالا ہے کہ قرآن مجید مخلوقات کے کلام کی طرح ایک نوپید چیز ہے اور مطلب ان کا اس سے یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ میں بولنے کی صفت نہیں ہے بلکہ اس نے پیڑ میں کلام پیدا کر دیا جس کو حضرت موسیٰؑ نے سن لیا اور لوح محفوظ میں کلام پیدا کر دیا جس کو حضرت جبرئیلؑ نے انبیاء کو پہنچا دیا یہ مطلب ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوقات کے کلام میں کوئی فرق باقی

نہیں رہتا کس واسطے کہ آخر بندوں میں بھی قوت کلام کرنے کی اللہ نے ہی پیدا کی ہے پھر انسان اور پیڑ میں اس وقت کا پیدا کرنا برابر ہے حالانکہ مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے باب میں یہ فرمایا ہے کہ قرآن شریف قدیم اور خاص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی الفاظ حضرت جبریلؑ نے سنے اور اللہ کے حکم سے آنحضرت ﷺ کو وہی الفاظ جبریلؑ کی معرفت پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی معرفت امت کے لوگوں کو پہنچے اب جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں یہ آواز تو البتہ لوگوں کی ہے مگر کلام اللہ کا ہے جس طرح کوئی چوبدار لفظ بلفظ کسی بادشاہ کا کوئی حکم لوگوں کو سنائے تو آواز چوبدار کی کہلائے گی اور حکم بادشاہ کا کہلاوے گا"[8]

۲۔ جنات:

فلسفی اور فِرق ضالّہ دنیا میں جنّات کے موجود ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس کے متعلق آیت "وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ"[9] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اکثر فلسفی اور زندیق اور قدریہ لوگوں نے جنّات کے دنیا میں موجود ہونے کا انکار کیا ہے لیکن اہل سنت نے بہت سی آیات قرآنی اور حدیثوں سے جنات کا دنیا میں موجود ہونا اور پابند شریعت ہونا ثابت کیا ہے سورہ جن کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد ابلیس میں دو قسمیں ہیں۔ ایک منکر شریعت اور کافر گروہ ہے اس کو شیاطین کہتے ہیں اور دوسرا گروہ پابند شریعت ہے اس کو جن کہتے ہیں"[10]

۳۔ جادو:

فلسفی نظریات کا حامل فرقہ معتزلہ جادو کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس نظریہ کی تردید آیت "وَاتَّبَعُواْ مَا تَتْلُواْ الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُواْ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولاَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلاَ تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلاَّ بِإِذْنِ اللّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُواْ لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْاْ بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ"[11] کی تفسیر میں لکھا ہے:

" فرقہ معتزلہ کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ سرے سے دنیا میں جادو کا وجود ہی نہیں ہے لیکن قرآن شریف میں چند جگہ جو جادو کا ذکر ہے وہ اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں لبید بن عاصم کا رسول اللہ ﷺ پر جادو کرنے کا قصہ ہے۔ اہل سنت کے مذہب کی تائید کے لئے کافی ہے"[12]

درج بالا مثالوں سے واضح ہوا کہ صاحب تفسیر جدید فلسفیانہ رجحانات کے بارے میں منفی رویہ رکھتے تھے۔ اسے کتاب و سنت کے مخالف قرار دیتے تھے اور کتاب و سنت اور آثار سے ان نظریات کی تردید کرتے تھے۔

ج (تقابل ادیان:

سید احمد حسن محدثؒ نے احسن التفاسیر میں اسلام اور شریعت محمدی کے خلاف تمام نظریات کی تردید کی ہے۔ اس طرح اسلام کے ساتھ دیگر ادیان و مذاہب کا تقابل کیا ہے۔

۱۔ انبیاء اور فرشتے:

صاحب تفسیر نے جن امور میں مختلف ادیان کا تقابل کیا ہے ان میں سے ایک انبیاء ورسل اور فرشتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ اور اسلام کے درمیان تقابل کیا ہے۔

ا) اللہ تعالیٰ کے فرمان "ذَلِکَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْن"[13] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"نصاریٰ کا شک حضرت عیسیٰ کے باب میں یہ ہے کہ ایک فرقہ تو نعوذ باللہ من ذلک حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں اور ایک فرقہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ایک فرقہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر تین خدا ہونے کے قائل ہیں۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت مریم کی برأت کا اور حضرت عیسیٰ کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونے کا ذکر فرما کر یہود و نصاریٰ دونوں کے شک کو رفع فرما دیا ہے لیکن ہر کام کا وقت اللہ کی جناب میں مقرر ہے۔ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر زمین پر آئیں گے اس وقت ان دونوں کا شک جائے گا اور دونوں حضرت عیسیٰ کو رسول جان کر ایمان لائیں گے سورہ نساء میں اس کا ذکر ہے اور صحیح حدیثوں میں اس کی تفصیل آئی ہے"

نصاریٰ میں جو فرقہ حضرت عیسیٰ، مریمؑ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر خدا کہتا ہے اس کو تثلیث کا فرقہ کہتے ہیں۔ اس فرقہ کو تو ان کے فرقہ پروٹسٹنٹ نے یوں جھٹلا دیا ہے کہ یہ تثلیث کا مسئلہ انجیل میں نہیں ہے۔ یہ پروٹسٹنٹ فرقہ انجیلی کہلاتا ہے۔ یہ لوگ تثلیث کے مسئلہ کو انجیل کے مابعد کا مسئلہ خیال کر کے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔

علاوہ اس کے تین خدا کو ماننا کھلم کھلا شرک ہے اور انجیل یوحنا کے سترھویں باب میں لکھا ہے کہ مشرک کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس طرح سے شرک کا پھیلانے والا مسئلہ کس طرح انجیل کے حکم کے موافق نہیں ہو سکتا۔

انجیل متی کا تیسرا اور چوتھا باب دیکھنے کے قابل ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ٹھہرایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ میں جو فرقے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں ان کا اعتقاد عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے برخلاف ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

"صحیح بخاری و مسلم بن عبادہؓ بن الصامت سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بندے اور رسول ہونے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث کو آیت کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی حال میں طرح طرح کی غلط باتیں تراش لی تھیں۔ اس واسطے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے بندے اور رسول ہونے کو قول الحق فرمایا۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بھی خاص طور پر اس حق کو جتلا دیا"[14]

۲۔ دین یہود اور ان سے مباہلہ:

اسلام کا دیگر ادیان کے تقابل کے سلسلے میں صاحب تفسیر نے یہودیوں کے فرق، نظریات اور رسول اللہ ﷺ کے ان سے موت پر مباہلہ کا ذکر کیا ہے۔

ا) ارشاد باری تعالی "وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لاَ يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلاَّ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَظُنُّونَ o فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِندِ اللّهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ"[15] کی تفسیر میں دین یہود کے احوال بیان کیے۔

ان آیتوں میں یہود کے ان پڑھ اور علماء دونوں فرقوں کا حال ہے۔ ان پڑھ فرقہ کا تو یہ کہ انہوں نے اپنے گروہ کے علماء سے جو کچھ گھڑی گھڑائی باتیں سن لی ہیں وہی ان کا دین وایمان ہے سوا ان باتوں کے ان کو کچھ معلوم نہیں کہ تورات کیا ہے اور اس میں کیا احکام الٰہی ہیں۔ دوسرا فرقہ ان کے علماء کا ہے جنہوں نے اپنی طرف سے اپنے ہاتھوں سے کچھ جھوٹ مصنوعی باتیں جعل سازی سے کتاب الٰہی میں لکھ دی ہیں اور ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم بتاتے ہیں اور جاہل لوگوں کو بہکا کر اس ذریعہ سے کچھ کما کھاتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ جھوٹ اور لقمہ حرام ایک دن ان کو خرابی میں ڈالے گا"[16]۔

اور آیت "قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآَخِرَةُ عِندَ اللّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ o وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَداً بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ o وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ وَاللّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ"[17] کی تفسیر میں یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا مباہلہ بیان کیا ہے۔ ضمناً پارسیوں کے درازی عمر کے لیے دعا کرنے کے لیے رواج کو بیان کیا ہے: یہود کہتے تھے "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا" اور سورہ مائدہ میں آئے گا کہ تورات کی آیت کو بدل ڈالا تھا اور کہتے تھے (نحن ابناء اللہ واحباؤہ) ان کے ان قولوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں سو ہمارے اور کوئی جنت میں ہرگز نہیں جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق رسول اللہ ﷺ یہود سے موت کی بد دعا کا مباہلہ کرنے کا تیار ہوئے۔

لیکن یہود تو اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ مباہلہ کریں گے تو اپنے جھوٹ کے سبب سے غارت ہو جائیں گے۔ مباہلہ کی صورت یہ ہے کہ جب دو فریق میں زبانی بحث سے کوئی بات طے نہ ہو تو ہر ایک فریق جھوٹے فریق پر بد دعا کرتا ہے۔ سورہ آل عمران میں مباہلہ کی آیت آئے گی جو نجران کے نصاریٰ سے رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کرنا چاہا تھا لیکن وہ نصرانی لوگ مباہلہ پر راضی نہیں ہوئے جس طرح اس آیت میں یہود لوگ جھوٹے فریق کی موت کی بد دعا پر راضی نہیں ہوئے مباہلہ کو تمنا کے لفظ سے اس آیت میں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ ہر فریق جھوٹے فریق کی ہلاکت کی تمنا کرتا ہے۔

مشرکین سے مراد اس آیت میں پارسی لوگ ہیں کہ ان کی قوم میں ہزار برس کے جینے کی دعا کا رواج ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بد اعمالی کے سبب سے موت کے مباہلہ پر تو ہرگز راضی نہ ہوں گے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے عیش کا مدار دنیا کی زندگی پر ہے لیکن شیطان کی طرح اگر ہزار ہا برس بھی یہ لوگ جی گئے تو ایک دن آخر مریں گے اور عذاب عقبیٰ میں گرفتار ہوں گے۔ جو کام یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہیں" [18]۔

۳۔ حلال وحرام کا قاعدہ:

صاحب تفسیر نے مختلف ادیان کے حلال وحرام کا باطل قاعدہ بیان کیا ہے اور ان کے انجام کا بھی ذکر کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان "ثُمَّ إِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُواْ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُواْ مِن بَعْدِ ذَلِکَ وَأَصْلَحُواْ إِنَّ رَبَّکَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِیْمٌ"[19] کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "مشرکین مکہ نے جس طرح اپنی طرف سے حرام حلال کا قاعدہ ٹھہرا رکھا تھا اسی طرح یہود نے بھی اپنی طرف سے حرام حلال ٹھہرا رکھا تھا۔

مثلاً سور کو یہود اور مشرکین مکہ دونوں حلال سمجھتے تھے حالانکہ ملت ابراہیم اور شریعت موسوی میں سور کے حلال ہونے کا کہیں حکم نہیں ہے غرض سورت انعام میں بھی اس عقلی حرام و حلال کے تذکرے میں مشرکین مکہ اور یہود کا ذکر تھا یہاں بھی مختصر طور پر اسی سلسلہ سے ذکر فرمایا یہود کی شرارت کی سزا میں جو چیزیں ان پر حرام ہوئیں ان میں مردار جانوروں کی چربی بھی تھی لیکن یہود لوگ اس سزا کے بعد بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آئے چربی کو پگھلا کر بیچا کرتے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں جابرؓ بن عبد اللہ سے جو روایت ہے اس شرارت کا ذکر اس میں تفصیل سے ہے آخر نتیجہ یہود کی شرارتوں کا یہ ہوا کہ مدینے کے گردونواح میں یہود کے تین قبیلے رہتے تھے ان میں سے دو کو تو جلاوطنی نصیب ہوئی اور ایک قبیلہ کو قتل کر دیا گیا[20]۔

۴۔ توحید کی حفاظت اور شرک سے بیزاری:

ملت ابراہیمی میں جو خصوصیات نمایاں تھیں ان میں سے ایک صفت توحید کی حفاظت اور شرک سے بیزاری تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد ﷺ کا حال ایک جیسا تھا۔ صاحب تفسیر نے آیت: "وَإِنَّ مِن شِیْعَتِهِ لَإِبْرَاهِیْمَ ۞ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ"[21] کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

> "حضرت عبد اللہ بن عباس نے "من شیعتہ" کی تفسیر میں "من اهل دینہ" کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے حضرت ابراہیمؑ دین والوں میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو حنیف اور ملت ابراہیم کو حنیفی کہتے ہیں۔ حنیف کے معنی ایک طرف کا ہو جانا ہے۔ حضرت ابراہیم نے شرک سے بیزار ہو کر اپنے وطن کو، باپ کو، قوم کو چھوڑا اور اللہ کی وحدانیت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس لیے حضرت ابراہیم کا یہ لقب ہوا"

حضرت ابراہیم اور نبی آخر الزمان ﷺ کا قصہ ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح نبی آخر الزمان ﷺ کو بھی توحید کی حفاظت میں وطن کو قوم کو سب کو چھوڑنا پڑا اور پھر جس طرح ہجرت کے بعد ابراہیمؑ کا بول بالا ہوا۔ وہی حال ہجرت کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ کا ہے۔

قلب سلیم کا بھی وہی مطلب ہے جو حنیف کا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دل شرک کے دھبہ سے بالکل پاک صاف تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> "آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس کو دل کہتے ہیں۔ اگر وہ درست ہے تو آدمی کے سب کام درست ہیں نہیں تو کچھ بھی درست نہیں ہوتا"

مطلب یہ ہے کہ شریعت میں نیک عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور نیت دلی ارادہ کا نام ہے۔ اس واسطے جس شخص کا دلی ارادہ درست نہیں۔ اس کا کوئی نیک عمل بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں۔ جس طرح مثلاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے منافق دکھاوے کے لیے سب نیک عمل کرتے تھے۔ لیکن ان کے دل میں کھوٹ تھا۔ اس لیے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان کی مذمت آئی ہے۔ غرض شریعت میں قلب سلیم کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کا حال اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے[22]۔

۵۔ شریعت اور رواج:

سید احمد حسن محدثؒ نے شریعتوں (ادیان) کے تقابل میں معاشرے کے رواجوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقَالَ الَّذِیْ اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لاِمْرَأَتِهِ أَکْرِمِیْ مَثْوَاهُ عَسَی أَن یَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وَکَذَلِکَ مَکَّنِّا لِیُوسُفَ فِیْ الأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِیْلِ الأَحَادِیْثِ وَاللّهُ غَالِبٌ عَلَی أَمْرِهِ وَلَکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لاَ یَعْلَمُونَ"[23]

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"عزیز مصر نے جس رواج کے موافق یوسف علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنانے کو کہا تھا۔ یہ رواج عرب میں بھی تھا اور سورت احزاب کی آیتوں سے جب تک رواج منسوخ نہیں ہوا اس وقت تک یہ رواج اسلام میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ کو اپنا متبنی (بیٹا) بنایا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ صحابہ زید بن حارثہؓ کو زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جب سورہ احزاب میں حکم "ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ"[24] نازل ہوا تو زید کو زید بن حارثہ کہہ کر پکارنے لگے۔ مطلب اس حکم کا یہ ہے کہ لے پالک بچوں کو ان کے اصلی باپ کی ولدیت سے پکارا کرو مثلا زید بن حارثہ کہا کرو۔ زید بن محمد نہ کہا کرو یہی اللہ کے نزدیک انصاف کا حکم ہے جو اللہ نے تم کو دیا اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کسی رواج کی پابند نہیں اسی لیے سوا شریعت محمدی ﷺ کے اور شریعتوں سے بھی رواج منسوخ ہوتا رہا ہے مثلاً جس طرح شریعت محمدی نے لے پالک کے رواج کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کے رواج کو شریعت محمدی نے منسوخ ٹھہرا دیا[25]۔ پہلی شریعتوں میں یہ رواج تھا۔

۶۔ سجدہ تعظیمی:

صاحب تفسیر نے سجدہ تعظیمی کے متعلق سابقہ ادیان اور اسلام کا تقابل کیا ہے۔ آیت "وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلاَئِکَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِیْسَ أَبَی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ"[26] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جس طرح کا سجدہ ملائکہ نے اللہ کے حکم سے حضرت آدمؑ کو کیا اسی طرح سلام کی طرح کا سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ سورہ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے مگر اب شریعت محمدی میں سوا اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے: " وکان من الکافرین" کا مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی یہ امر پہلے ہی قرار پا چکا تھا کہ اگرچہ اپنی عبادت کے سبب سے ابلیس گروہ جنات میں سے نکل کر وہ ملائکہ میں چندے داخل ہو جائے گا لیکن انجام اس کا نافرمانی کے سبب سے کفر پر ہو گا"[27]

مذکورہ بالا مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر احسن التفاسیر میں مختلف ادیان کا اسلام کے ساتھ تقابل کر کے اسلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

د) فرق اسلامیہ کے بارے میں رائے:

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے سابقہ ادیان کے ساتھ اسلام کا تقابل کیا ہے اسی طرح اسلام اور سابقہ ادیان کے فرقوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اسلامی فرقوں میں سے حق فرقہ کی نشاندہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَ يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ○إِلاَّ مَن رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذَلِکَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّکَ لأَمْلأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ''[28] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''مطلب یہ ہے کہ اللہ میں یہ بھی قدرت ہے کہ سارے جہان کو ایک ہی دین پر رکھتا سب کے سب دیندار رہتے مگر خدا کی مرضی نہ ہوئی کیونکہ دنیا کو اس نے نیک و بد کے امتحان کے لیے پیدا کیا ہے زبردستی دیندار بنانے کے لیے نہیں پیدا کیا اس لیے لوگ الگ الگ فرقے ہوگئے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے کوئی نصاریٰ کوئی یہود کوئی مجوس کوئی مشرک اسی طرح اپنی اپنی عقل کے موافق الگ الگ مذہب قائم کریں گے''

ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہود ۷۱ فرقے ہوگئے اور نصاریٰ ۷۲ فرقے ہوئے اور امت محمد یہ ۷۳ فرقے ہوں گے ان ۷۳ فرقوں میں سے ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ حاکم کی حضرت معاویہؓ کی حدیث میں یہ ایک بات زیادہ ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا حضرت ﷺ وہ کون سا فرقہ ہے جو جنتی ہے فرمایا: وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے اور حاکم کی روایت بھی معتبر ہے اس امت کے بے راہ فرقے وہی سلف کے برخلاف لوگ ہیں جیسے قدریہ، جبریہ، معتزلہ وغیرہ وغیرہ کہ سب فرقے اپنے عقیدہ اور عمل میں سلف کے برخلاف ہے اور آپس میں بھی ان میں اختلاف ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے کو حق پر نہیں مانتا۔ ''الا من رحم ربک'' سے اہل سنت کا فرقہ مقصود ہے جو اپنے عقیدہ اور عمل میں سلف کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر چلنے والے لوگ ہیں[29]۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ''مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ○مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ''[30] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> '' منیبین الیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنے والے رہو اور ڈرو اس سے اور نماز کو قائم رکھو کہ بڑی عبادت ہے اسے ضائع نہ کرو اور نہ بنو مشرک بلکہ موحد بنو جو خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔
> اس کے بعد مشرکوں کا حال بیان کیا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی کہ تغیر و تبدل کر کے دین میں بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا" فرقوا" کی جگہ بعضے سلف " فارقوا" پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے دین کو چھوڑ کر پیٹھ کر پیچھے ڈال دیا ہے''

جیسے یہود و نصاریٰ مجوسی اور بت پرست یہ ہر ایک فرقہ اپنے گھڑے ہوئے دین پر خوش و خرم ہے اور اس کو حق سمجھ رہا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔

چنانچہ معتبر سند سے ترمذی میں عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ سے پوچھا گیا کہ ان ۷۲ فرقوں میں

سے نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جس پر آج میں اور میرے اصحابؓ میں وہی حق پر ہیں باقی سب فرقے گمراہی پر ہیں۔ ترمذی کی اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن زیاد افریقی کو اگرچہ بعضے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار نہیں کیا اور یحیٰ بن سعید القطان نے اس کو ثقہ کہا ہے اسی واسطے ترمذی نے اس حدیث کو معتبر کہا ہے"[31]۔

ر) جدید مسائل کا حل:

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے تفسیر احسن التفاسیر میں جدید مسائل مثلاً زمین اور سورج کے فاصلے کے متعلق مختلف سائنسدانوں کی تحقیق، جدید اسلحہ سے شکار کا حکم اور ناپ تول کے نئے طریقے وغیرہ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔

ا۔ زمین اور سورج کا فاصلہ:

زمین اور سورج کے فاصلہ کے متعلق سائنسدانوں کی تحقیق کا خلاصہ احسن التفاسیر کے مقدمہ میں درج کیا گیا ہے۔ متقدمین اہل سائنس کے نزدیک پہلے زمین اور سورج کا فاصلہ پچاس لاکھ میل کے قریب تھا پھر ایک کروڑ تیس لاکھ میل اور پھر آٹھ کروڑ پچاس لاکھ میل قرار پایا۔

اب ۱۹۰۹ء تک کے متاخرین نو کروڑ انیتس لاکھ میل کا فاصلہ بتاتے ہیں جب دور بینوں کی غلطی کا یہ حال ہے تو آئندہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ کوئی دور بین ایسی نکل آئے جس سے یہ متاخرین کا قائم کیا ہوا فاصلہ بھی صحیح نہ ٹھہرے ان لوگوں کی علم ہیئت کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۵۰۷ء تک علم ہیئت کے جو قواعد پہلے سے چلے آتے تھے پروشیا کے رہنے والے ایک مہندس (انجینئر) کوپر نیکس نے ان قواعد کو بالکل بدل کر یہ ثابت کیا کہ دور بین سے دیکھنا تو درکنار بعض تارے زمین سے اس قدر دور ہیں کہ وہاں تک انسان کے وہم و گمان کی بھی رسائی نہیں ہے۔

بطلیموس کے زمانہ سے لے کر ۱۵۰۷ء تک کے قواعد اگر صحیح تھے تو پھر کوپر نیکس کو ان قواعد کے بدلنے کی کیا ضرورت تھی ان کتابوں کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۰۸ء تک جو دور بینیں بنائی گئی ہیں ان میں اصلی جسامت سے تیس حصہ بڑھ کر ہر ایک چیز نظر آسکتی ہے۔ مخالفین سائنس اس پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ فاصلے کی دوری کے سبب سے ساٹھ حصہ سے بڑھ کر جسامت کے نظر آنے کی دور بین کے بغیر بعض تارے نظر نہیں آسکتے تو ۱۶۰۸ء تک کی دور بینیں اس اعتراض کے جواب کے لیے کافی نہیں ہیں کوپر نیکس کی وفات کے کوئی پچاس برس کے بعد ایک سائنس کے عالم جان کپلر نے پہلے کے آلات رصد میں تبدل و تغیر کیا جس سے کوپر نیکس تک کے زمانہ کے اکثر مسئلے بدل گئے۔ اس کے بعد متاخرین نے جان کپلر کے بعض مسائل کو غلط ٹھہرایا۔

ان لوگوں کے آپس کے اختلاف کا ذکر مختصر طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے اختلافی مسائل کا تو یہ حال ہے اور ان مسائل کے بھروسہ پر دعویٰ ان کا یہ ہے کہ سورج، چاند اور تاروں کی باقاعدہ حرکت ایک غیر متغیر قانون ہے۔ اسی قانون کے موافق دنیا کا تمام انتظام لگتا ہے جس انتظام کا بدل جانا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

لیکن جب متاخرین میں بڑے بڑے سائنس کے علماء تاروں کی باقاعدہ حرکت کے قانون کو متغیر مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آخر کو تاروں کی حرکت حرارت سے بدل جائے۔ جس سے مادہ کی حرارت حد سے زیادہ بڑھ کر تمام تارے سورج سے لڑ جاویں گے اور

انتظام دنیا خواب ہو کر دنیا بالکل ویران ہو جائے گی تو متقدمین اور متاخرین کے اس اختلاف کے سبب سے سائنس کا کوئی قاعدہ اور کوئی دعوے قائم نہیں رہ سکتا۔

پابند شریعت علماء نے سائنس کے قاعدوں اور دعوؤں کو بے بنیاد جو ٹھہرایا تھا متقدمین اور متاخرین اہل سائنس کے اختلاف سے وہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ سورج چاند اور تاروں کی حرکت اسی وقت تک دنیا کے انتظام کا سبب قرار پاسکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ نے اس حرکت میں دنیا کے انتظام کی تاثیر پیدا کی ہے اور جب یہ تاثیر اللہ کے حکم سے باقی نہ رہے گی تو اہل سائنس کے اقرار کے موافق یہی حرکت حرارت سے بدل کر تمام دنیا کے اجڑ جانے کا سبب بن جائے گی"[32]

۲۔ جدید اسلحہ سے شکار:

جدید مسائل میں سے ایک شکار کے جدید آلات کا استعمال اور اس کے احکامات ہیں۔ صاحب تفسیر نے شکاری کے احکامات تفصیل سے بتاتے ہوئے جدید اسلحہ بندوق سے شکار کا حکم واضح کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ'' [33] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> '' صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شکار کے واسطے یا کھیتی یا مویشی کی حفاظت کے لیے کتے کا پالنا روا ہے نہیں تو نہیں۔ یہ حدیث اس آیت کی گویا تفسیر ہے کیونکہ آیت میں فقط شکاری کتے کے پالنے کی اجازت ہے اور حدیث میں یہ بھی تفسیر ہے کہ سوا شکار کی ضرورت کے دو ضرورتیں اور بھی ایسی ہیں جن میں کتے کا پالنا روا ہے''

کتے کے شکار کے حلال ہونے میں یہ شرطیں ہیں۔ شکاری کتا سدھا ہوا ہو اس کا سدھا ہوا ہونا یوں معلوم ہو گا کہ کم سے کم دو دفعہ یا تین دفعہ اس کو آزما لیا جائے کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو وہ جاتا ہے اور جب روکا جاتا ہے تو رک جاتا ہے۔ مالک کی بلا اجازت شکار کا گوشت کھا جانے کی جرأت نہیں کرتا۔

کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ کر اسے چھوڑنا چاہیے اگر جان بوجھ کر بسم اللہ کا کہنا ترک ہو گیا اور کتے کا پکڑا ہوا شکار کا جانور ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو ایسے جانور کا گوشت کھانا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ کتے کا پکڑا ہوا جانور اگر جیتا ہاتھ آجائے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر ذبح کرنے سے پہلے وہ جانور مر گیا اور کتے نے اس میں سے کچھ گوشت کھالیا تو گویا یہ کتا سدھا ہوا نہ رہا اس لیے اس کے شکار کا گوشت ناجائز ہے۔ ہاں اگر کتے نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو یہ شکار جائز ہے کیونکہ سدھے ہوئے کتے کا جانور کو پکڑنا شرع میں قائم مقام ذبح کے ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی عدیؓ بن حاتمؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ اگر سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں دوسرا اجنبی کتا شریک ہو جائے اور شکار کا جانور ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو یہ گوشت مردار ہے خواہ کتا اس میں سے کچھ کھائے یا نہ کھائے۔

اور درندوں میں سے چیتے کے شکار کا اور پرندوں میں سے باز وغیرہ شکاری جانوروں کے شکار کا بھی یہی حکم ہے جو کتے کے شکار کا ہے۔ عدی بن حاتمؓ کی جس حدیث کا حوالہ اوپر گزرا اس کی روایت میں انہوں نے کتے کے شکار کے مسئلہ میں تیر کے شکار کا یہ مسئلہ

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ تیر کے شکار کا جانور اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپؐ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تیرے سے جانور کے جسم میں زخم لگا اور خون نکلا تو یہ جانور حلال ہے نہیں تو نہیں۔

اس لئے بعض علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ بندوق کے شکار کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ بندوق کا زخم تیر کے زخم سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ تیر کو کمان سے گولی چھرے کو بندوق سے جب چلایا جائے تو بسم اللہ کہہ کر چلا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی ابو ثعلبہؓ کی حدیث میں اس کا ذکر ہے"[34]۔

۳۔ جدید پیمانے:

چیزوں کو تولنے کے لیے مختلف پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر میں چیزوں کی مقدار پرانے زمانے کے مطابق دی گئی ہے۔ عام قاری کو اندازہ نہیں ہوتا کہ موجودہ پیمانے کے مطابق اس کی مقدار کتنی ہوگی۔ اس اشکال کو صاحب تفسیر نے نہایت ہی احسن انداز میں حل کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وَقَالَ الَّذِیْ اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِیْ مَثْوَاهُ عَسَى أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وَكَذٰلِكَ مَكَّنِّا لِيُوسُفَ فِیْ الأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الأَحَادِيثِ وَاللّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ"[35] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "مصر کے بادشاہ کا نام ولید بن ریان تھا اور عزیز مصر کا نام قطفیر تھا۔ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کے ہم وزن سونا اور چاندی اور مشک اور ریشمی کپڑے دے کر یوسف علیہ السلام کو خرید لیا تھا جس کا وزن چار سو رطل تھا۔ ایک رطل نوے مثقال کا ہوتا ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا اس حساب سے کل چیزوں کا وزن چار من آٹھ سیر چھ ماشہ ہوتا ہے"[36]

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے قرآن مجید کی تفسیر میں جدید مسائل اور ان کا حل بھی بیان کیا ہے۔

س) معاصری فکری مغالطوں کا رد:

صاحب تفسیر نے معاصر فکری مغالطوں کا بھی رد کیا ہے مثلاً اہل ہئیت کا سورج کے بارے میں مغالطہ یہ تھا کہ سورج کی گردش ذاتی نہیں ہے بلکہ آسمان کے ساتھ تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: "اللّهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِیْ لأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الأَمْرَ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ"[37] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "وسخر الشمس والقمر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج چاند کے طلوع اور غروب کے جو وقت مقرر ہیں وہ ان وقتوں کے تابع ہیں۔ کل یجری سے سورج کی ذاتی گردش ثابت ہوتی ہے جس سے ان اہل ہیئت کے قول کا ضعف نکلتا ہے جو سورج کی ذاتی گردش کے قائل نہیں ہیں بلکہ سورج کی گردش کو آسمان کا تابع بتلاتے ہیں"[38]

اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ o لَا الشَّمْسُ يَنبَغِیْ لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَسْبَحُونَ"[39] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خطیبؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ اٹھائیس منزلیں ہیں جن کے اندر چاند ہر مہینے پر آتا ہے جب ان سب منزلوں کو چاند طے کر چکتا ہے تو پھر پرانی ٹہنی کی صورت میں اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح اول مہینے میں تھا چاند کی اس چال سے مہینوں کا حساب سمجھا جاتا ہے اور پھر برسوں کا جس طرح کہ سورج سے رات اور دن کی پہچان ہوتی ہے"

یہ خطیب بغدادی ابو بکر احمد بن علی ملک شام کے معتبر اور مشہور علماء میں ہیں ان کے وقت کے علماء ان کو دار قطنی ثانی کہا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس وقت کے بعض علماء نے خواب میں دیکھا کہ ان کی تصنیف کی بعض کتابیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھوا کر ان سے سنیں۔ پھر فرمایا کہ سورج کو نہیں لائق ہے کہ پکڑے چاند کو مطلب یہ ہے کہ چاند کی چال سے سورج کی چال کم ہے اس لیے سورج چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور رات بھی دن سے آگے بڑھنے والی نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دن تو آئے نہیں اور دوسری رات شروع ہو جائے ان کے لیے یہی ایک حد اللہ نے ٹھہرا دی ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے اور رات دن تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کی طلب میں مشغول ہے اور پیچھے لگا آتا ہے۔

غرض کہ رات اور دن، سورج اور چاند سب کے سب الگ گھیرے میں آسمان اور زمین کے بیچ میں دوڑتے ہوئے پھرتے ہیں معلوم ہوا کہ ستارے خود چلتے ہیں یہ بات نہیں ہے کہ وہ آسمان میں گڑے ہوئے ہیں اور فقط آسمان چلتا ہے جیسا کہ لفظ "**یسبحون**" سے جس کے معنی پھرنے کے ہیں۔

سمجھا جاتا ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عکرمہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ سب دور کرتے رہتے ہیں ایک گھیرے میں صحیح مسلم میں نواسؓ بن سمعان سے روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال زمین پر چالیس دن رہے گا جن میں ایک دن ایک برس کا ہوگا اور دوسرا ایک مہینہ کا اور تیسرا ایک ہفتہ کا اور باقی کے دن معمول کے ہوں گے یہ بات سن کر صحابہؓ نے پوچھا کہ برس کے دن میں کیا نمازیں اسی قدر کافی ہوں گی جو ایک دن میں کافی ہو سکتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں حساب کر کے برس روز کی نمازیں اس دن پڑھنی چاہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان بڑے تینوں دن میں راتیں بھی شامل ہوں گی۔ اس لیے رات دن کے اندازہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے برس دن کی نمازوں کا حکم اس ایک دن کے لیے فرمایا یہ نواس بن سمعان شامی صحابہ میں ہیں۔ اس حدیث کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورج اور چاند اور رات دن کے جس انتظام کا ان آیتوں میں ذکر ہے وہ انتظام دجال کے زمانہ میں تین دن کے لیے اللہ کے حکم سے پلٹ جائے گا۔

"**کل فی فلک یسبحون**" سے اہل ہیئت کے اس قول کا ضعیف ہونا نکلتا ہے کہ سورج آسمان میں چڑھا ہوا ہے۔ آسمان کے پھرنے سے وہ بھی پھرتا ہے خود نہیں پھرتا، عرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی پھل دار شاخیں لگی ہوتی ہیں یہ ٹہنی پرانی ہو کر زرد اور کمدار ہو جاتی ہے اور چاند بھی آخر مہینہ پر ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اس لیے آخر مہینہ کے چاند کو کھجور کی پرانی ٹہنی سے مشابہ فرمایا[40]۔

الغرض مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے تفسیر احسن التفاسیر میں قرآن و سنت اور آثار کی روشنی میں تمام غلط نظریات و افکار کارد کر کے اسلامی نظریات کو واضح کیا ہے۔

ص) قدیم وجدید تفاسیر کا امتزاج:

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے تفسیر "احسن التفاسیر" میں قدیم تفاسیر کی طرز پر روایات اور رواۃ کو لیا ہے اور جدید طرز کو اپناتے ہوئے صحیح اور معتبر روایات و واقعات کا خلاصہ شستہ اور سلیس اردو زبان میں پیش کیا ہے اسی طرح تفسیر احسن التفاسیر قدیم وجدید تفاسیر کا حسین امتزاج ہے۔

قدیم تفاسیر کی تاریخ دیکھیں تو تیسری صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کی تمام کتب تفاسیر کی قدر و قیمت اور احوال میں بہت کچھ تغیر و تبدیلی نظر آتی ہے اور ان میں جو تفسیر بالماثور درج ہے وہ اپنے ماحول، مؤثرات اور رخ بدلنے والے عناصر (موجہات) سے ضرور متاثر ہوئی ہے اور یہ تأثر اس زمانے کی تفاسیر اور کتب تاریخ میں صاف اور نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً ابن جریر کی تفسیر جامع البیان کو لیجئے جس کی ابتداء میں صحیح اور معتبر احادیث پائی جاتی ہیں اور یہ تفسیر کسی خاص تحقیق و تفسیر پر مبنی نہیں کیونکہ ابن جریر ضعیف راویوں سے روایت کرنے سے نہیں بچ سکے تھے جن کی وجہ سے آئمہ جرح و تعدیل نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس تفسیر میں بہت سی روایات سُدّی کے واسطے سے ہیں۔ جب ابن ابی حاتمؒ نے تفسیر طبری کی صحیح روایات کو جمع کیا تو انہوں نے سدی کے طریق کی کوئی روایت نقل نہیں کی[41]۔

تفسیر ابن جریر میں سدی کے علاوہ دوسرے متکلم فیہ رواۃ کی روایتیں بھی ہیں۔ البتہ تفسیر بالدرایہ میں ایک ایسا مرجع ہے جس کی اہمیت کسی طرح کم نہیں، کیونکہ انہوں نے مختلف معانی کو ایک دوسرے پر جو لغوی اور علمی پہلوؤں سے ترجیح دی ہے اور ان روایات منقولہ سے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں جمع کی ہیں[42]۔

قدیم تفاسیر کے برعکس جدید تفاسیر میں نہایت احتیاط کے ساتھ احادیث نبویہ و آثار کو نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے تفسیر احسن التفاسیر میں، تفسیر ابن کثیر کی بہترین تلخیص کرتے ہوئے، تفسیر طبری، معالم، فتح البیان، خازن اور در منثور کی روایات کو اس انداز میں سمو دیا ہے اگر ان تمام تفسیروں کے متعلقہ مقامات کے مطالعہ کے بعد وہی مقام اس تفسیر میں دیکھا جائے تو کوئی چیز چھوٹی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ جامعیت ایسی کہ مذکورہ بالا تفاسیر کے طویل تحقیق میں پڑے بغیر تھوڑے وقت میں قرآن مجید کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

اس تفسیر کا ایک اہم امتیاز یہ ہے کہ اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز کیا ہے، صرف صحیح روایات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں، ان میں سے صرف صحیح اور مستند روایت کو درج کیا ہے۔ احسن التفاسیر ایسی جامع تفسیر ہے کہ اس میں طویل علمی مسائل و مباحث کو نہایت جامع انداز میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ ان علمی مسائل میں صرف قرآن کریم کے معنی و مطالب کی تفہیم و توضیح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ط) صاحب تفسیر کے تفردات اور ان کا تحقیقی جائزہ:

مولانا احمد حسن محدثؒ نے احسن التفاسیر میں چند مفرد اسلوب اختیار کیے ہیں جس کا ہم تحقیقی جائزہ لیں گے۔

ا۔ صحیح اور معتبر احادیث، آثار اور واقعات کا اہتمام:

بہت سے مفسرین نے تفسیر بالماثور کرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ان میں بھی ضعیف اور کچھ اسرائیلیات پائی جاتی ہیں۔ لیکن مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے احسن التفاسیر میں اسرائیلیات سے بالکل اجتناب کیا ہے۔ احسن التفاسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اس کی تکمیل میں ان تفسیروں سے مدد نہیں لی گئی جن میں روایتوں کی سند پوری نہیں تھی اور ان تفسیروں سے بھی مدد نہیں لی گئی جن میں حل مطلب قرآنی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تھا بلکہ فوائد اور ان کی تکمیل میں ابن جریر، ابن کثیر، خازن،، در منثور، کتاب التفسیر للبخاری، ترمذی، حاکم اسی طرح کی روایتی تفسیروں سے تفسیری مطلب کے لینے میں اور حدیث کی کتابوں سے صحیح حدیثوں کے لینے میں مدد لی گئی ہے جس کے سبب سے آٹھ نو سو برس پہلے صحیح تفسیروں کی تالیف کی ڈھنگ کے موافق سلیس اردو میں یہ صحیح تفسیر تیار ہوگئی ہے"[43]

تفسیر احسن التفاسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر میں تمام روایات مفسر کی شروط کے مطابق ہے۔ البتہ چند ایک مقام پر بالکل غیر معتبر تو نہیں۔ متنازعہ روایات بعض ائمہ نے صحیح اور بعض کے مطابق اسرائیلی روایات ہیں۔ مثلاً ہاروت وماروت کا قصہ جس کے متعلق مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ لکھتے ہیں:" حافظ ابن حجر نے فتح الباری (کتاب الطب، باب السحر) میں ایسے ہی لکھا ہے۔ لیکن اس بارے میں درست تحقیق حافظ ابن کثیر کی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہں بلکہ اسرائیلی روایت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے دراصل یہ روایت کعب بن احبار سے اخذ کی ہے چنانچہ ایک سند میں اس کا ذکر بھی ہے[44]۔

اس مثال سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ منسوب اسرائیلی روایت، اسرائیلیات میں سے نہیں اگر ہوتی تو امام ابن حجر جو علم حدیث کے امام ہیں فتح الباری میں نقل نہیں کرتے۔

۲۔ احادیث، آثار واقعات کا خلاصہ:

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے قرآن مجید کی تفسیر میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ آیات کی تفسیر میں صحیح احادیث و آثار اور معتبر تاریخی واقعات کا خلاصہ دیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ "آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ o لاَ يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلاَنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ"[45] کی تفسیر میں احادیث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

"مسند امام احمد اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی یہ دونوں آیتیں آمن الرسول سے سورت کے ختم تک پڑھ لے گا اس کی تمام رات کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی"

مسند امام احمد وغیرہ میں معتبر سند سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ عرش معلیٰ کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے اس میں سورۂ بقرہ کی ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ:

"جس گھر میں سورہ بقرہ کی یہ آیتیں پڑھی جائیں اس گھر پر شیطان کا اثر پھر باقی نہیں رہتا۔ طبرانی کی سند اس روایت کی معتبر اور جید ہے"[46]

درج بالا مثالوں سے واضح ہوا کہ مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے قارئین کی سہولت کی خاطر لمبے اور پیچیدہ مشکل جملے وعبارات سے گریز کرتے ہوئے احادیث و آثار اور واقعات کا خلاصہ دیا ہے جو کہ اس تفسیر کی انفرادیت (تفردات) میں سے ہے۔

۳۔ اسباب نزول:

مولانا سید احمد حسن محدث دہلویؒ نے قرآن مجید کی تفسیر میں آیات کی نزول بیان کرنے کا بہت اہتمام کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان" وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ الأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ الصَّلاَةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ إِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُواْ لَكُمْ عَدُوّاً مُّبِيْناً"[47] کی تفسیر میں اس آیت کا شان نزول بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم اور سنن میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ بغیر خوف کے سفر میں نماز کا قصر کرنا۔ یہ صدقہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک مہربانی ہے اس کو قبول کرنا چاہیے"

حضرت عمرؓ کی یہ حدیث بہت صحیح ہے ائمہ حدیث نے بالاتفاق اس کی صحت بیان کی ہے اور اس صحیح حدیث سے اوپر کی شان نزول کی روایت کے اس ٹکڑے کی پوری تائید ہوتی ہے کہ بغیر حالت خوف کے سفر میں قصر نماز جائز ہے۔ رہا اس شان نزول کا دوسرا ٹکڑا کہ ایک لڑائی میں ظہر اور عصر کے مابین میں صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا اس کی تائید آئندہ کے شان نزول سے ہو سکتی ہے رسول اللہ ﷺ کا فعل بھی یہی پایا جاتا ہے کہ حالت سفر میں آپ قصر کیا کرتے تھے۔ رہی یہ بات کہ کس قدر مسافت کے سفر میں قصر نماز پڑھنی چاہیے اس باب میں حضرت انسؓ کی صحیح مسلم کی روایت سے بڑھ کر کوئی صحیح روایت نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تین میل یا نو میل کی مسافت کے سفر میں آپ قصر کیا کرتے تھے[48]۔

۴۔ معتبر مصادر و مراجع کا انتخاب:

مولانا احمد حسن محدثؒ نے تفسیر احسن التفاسیر کرتے وقت معتبر مصادر و مراجع کا انتخاب کیا ہے۔ تفسیر احسن التفاسیر کے مقدمے میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں قرآن مجید کی تفسیر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کتب احادیث کی طرح کتب تفاسیر میں بھی سند لکھنے کی پابندی تھی جس سے ثقہ اور ضعیف راویوں کی جانچ ممکن تھی۔ ان دوادوار کے بعد تفسیر ابن جریر (۳۱۰ھ) اور تفسیر ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) تالیف ہوئیں جن میں قرآن، حدیث صحابہ، تابعین اور تبع تابعین تک کے قول سے لی گئی ہے۔ ان میں سے تفسیر ابن کثیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن مردویہ کی سندوں کی خوب جانچ کی گئی ہے اور دوسری خوبی یہ کہ جو روایت حدیث کی کسی کتاب میں تھی اس کتاب کا نام ماسوائے صحیحین کے اور روایتوں کی صحت و ضعف کا حال بھی بتلا دیا ہے۔

اس کے بعد ایسی تفسیریں تالیف کیں جن میں پوری سند کی پابندی کی جاتی رہی حدیث کی جگہ عن النبی ﷺ اور قول صحابی کی جگہ عن عبداللہ بن عباسؓ اور قول تابعی کی جگہ عن مجاہد پر قناعت کی گئی جس سے صحیح اور ضعیف سند جانچنے کا موقع بالکل رہا۔ مثلاً تفسیر زجاج، تفسیر واحدی اور تفسیر کبیر وغیرہ۔

مولانا احمد حسن محدثؒ کی درج بالا تفردات (منفرد خوبیوں) کی وجہ سے اردو تفاسیر میں، خصوصاً تفسیر ماثور میں اس تفسیر کو امتیازی مقام حاصل ہے۔

ظ) تنقیدی جائزہ

احسن التفاسیر آج سے کم و بیش ۱۰۵ سال قبل (۱۳۲۵ھ) اس وقت منظر عام پر آئی جب اردو زبان و ادب تدوین کے جدید اصولوں سے قدرے نا آشنا تھی اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے قائم کیا جانے والا ادارہ "انجمن ترقی اردو" بھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور

اس ادارہ کی ترقی میں بابائے اردو مولوی عبد الحق نے اہم کردار ادا کیا اور اسے موجودہ حالت تک پہنچایا۔

احسن التفاسیر ۱۳۲۵ھ میں لکھی گئی اور ان کی وفات ۱۳۳۸ھ ہے گویا وفات کو ایک سو سال سے زیادہ مدت بیت چکی ہے انہوں نے جو زبان اس دور میں استعمال کی وہ آج عام اردو دان طبقے کی نظر میں تھوڑی سی مختلف ہے اور اسی طرح بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا رسم الخط اب مستعمل نہیں۔ اس لیے اس وقت کے قاری کو معمولی مسئلہ در پیش ہے۔ مثلاً کچھ الفاظ ایسے ہیں جو موجودہ اردو میں نہیں ہے۔

مروجہ لفظ	تفسیر میں مستعمل لفظ
رہی	رھی
حرج	ہارج
دو حصوں میں برابر آئے	نصفا نصفی آوے وغیرہ

اس کے علاوہ لفظوں اور جملوں کے درمیان قومہ اور فل سٹاپ بہت کم ہیں۔

مولانا سید احمد حسن محدثؒ نے مختلف آیات کی تفسیر احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال سے کی ہے لیکن تحقیقی حوالے سے اس میں یہ کمزوری ہے کہ حوالہ جات کا ذکر بہت ہی اجمالی انداز میں کیا گیا ہے۔ ان حوالہ جات میں صفحات اور ابواب وغیرہ کی تفصیل موجود نہیں ہے۔ اب مولانا عبد الرحمٰن گوہڑوی نے اس کے حوالہ جات کی مکمل تحقیق و تخریج کی ہے اور عام قاری کے لیے اس کو اور بھی آسان بنادیا۔

حواشی وحوالہ جات :

[1]۔ قرآن حکیم (28):38۔

[2]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر (مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور) 5/91-90

[3]۔ قرآن حکیم (32):28-27۔

[4]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 5/184۔

[5]۔ قرآن حکیم (37):10-5۔

[6]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 6/2۔

[7]۔ قرآن حکیم (26):5۔

[8]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 5/12۔

[9]۔ قرآن حکیم (34):12۔

[10]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 5/236235۔

[11]۔ قرآن حکیم (2): 102۔

[12]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/109۔

[13]۔ قرآن حکیم (19):34۔

[14]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 4/139۔

[15]۔ قرآن حکیم (2):78-79۔

[16]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/99۔
[17]۔ قرآن حکیم (2):96-94۔
[18]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/106۔
[19]۔ قرآن حکیم (16):119۔
[20]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 3/380۔
[21]۔ قرآن حکیم (37):83-84۔
[22]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 6/13۔
[23]۔ قرآن حکیم (12):21۔
[24]۔ قرآن حکیم (33): 5۔
[25]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 3/153۔
[26]۔ قرآن حکیم (2):34۔
[27]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/81۔
[28]۔ قرآن حکیم (11): 119-118۔
[29]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 3/136
[30]۔ قرآن حکیم (30):32-31۔
[31]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 5/145-144۔
[32]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 54-53۔
[33]۔ قرآن حکیم (5):4۔
[34]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 2/29-28۔
[35]۔ قرآن حکیم (12):21۔
[36]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 3/152۔
[37]۔ قرآن حکیم (13):2۔
[38]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 3/213-212۔
[39]۔ قرآن حکیم (36):40-39۔
[40]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 5/293-292۔
[41]۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، 2/224۔
[42]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور، دانش گاہ پنجاب یونیورسٹی) 6/497-496۔
[43]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/34۔
[44]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 109 حاشیہ
[45]۔ قرآن حکیم (2): 286-285۔
[46]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 217-216۔
[47]۔ قرآن حکیم (4): 101۔
[48]۔ دہلوی، سید احمد حسن، محدث، احسن التفاسیر، 1/364-363۔